ابرار عبدالسلام

'اودھ اخبار' اور تفتہ کی وفات کی تاریخیں

۱۸۵۷ء کے بعد جن اخباروں نے شہرت حاصل کی، ان میں سرِفہرست نام 'اودھ اخبار' کا ہے۔ اس کے مالک منشی نول کشور تھے۔ ۱۸۵۷ء کی خانہ جنگی کے خاتمے کے بعد حالات بہتر ہونا شروع ہوئے تو منشی نول کشور لکھنؤ آگئے۔ لکھنؤ آنے سے قبل وہ چار سال تک کوہِ نور پریس لاہور میں کام کرتے رہے۔ لکھنؤ آنے کے بعد انھوں نے مقامی حکام سے مل کر کوٹھی غالب جنگ میں مطبع نول کشور کے نام سے ایک پریس قائم کیا اور محلّہ حضرت جنگ سے جنوری ۱۸۵۹ء کو 'اودھ اخبار' کے نام سے ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار چودہ سال تک ہفتہ وار نکلتا رہا۔ پھر ہفتہ میں دو بار، پھر تین بار اور ۱۸۷۶ء سے ہر دوسرے روز شائع ہونے لگا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ اخبار روزانہ ہو گیا۔ پہلے پہل یہ اخبار چار صفحات پر مشتمل تھا پھر چھ اور اس کے بعد سولہ اور اڑتالیس صفحات تک چھپتا رہا۔ شروع میں بعض مضامین دیوناگری میں بھی شائع ہوتے تھے اور کچھ عرصے یہ اخبار مصور بھی رہا۔

تھوڑے ہی عرصے میں اس اخبار نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی۔ ملک بھر میں سچی، صحیح اور تازہ خبریں دینے کے لیے 'اودھ اخبار' مشہور ہو گیا۔ اس کے نامہ نگار تمام صوبوں اور ریاستوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مشہور تھا کہ ہندوستان کی مختلف راجدھانیوں میں یا تو حکومت کے نمائندے رہتے ہیں یا منشی نول کشور کے۔ طباعت کا سرکاری کام تقریباً سارا مطبع نول کشور کے سپرد ہو گیا۔ محکمۂ تعلیم کے لیے نصاب کی کتابیں بھی یہاں چھپنے لگیں اور چند ہی دنوں میں یہ ملک کا سب سے بڑا پریس بن گیا۔(۱)

ابتدا میں 'اودھ اخبار' کی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ یہ ان خبروں کا مجموعہ ہوتا تھا جو انگریزی اخباروں

کے تاروں اور نوٹوں سے ترجمہ کر کے چھاپی جاتی تھیں۔ بعد میں اس نے اپنی پالیسی بنائی۔ جس کا مقصد اردو ادب کی خدمت کرنا، تباہ کن اور ضرر رساں رسم و رواج سے قوم کو بچانا، اصلاحی ادبی جماعتوں اور تعلیمی اداروں کا پراپیگنڈہ کرنا تھا اور یہی اس کا شعار تھا۔(۲)

اس اخبار میں عصری حالات اور خبروں کے علاوہ جغرافیائی، علمی اور ادبی مضامین بھی چھپتے تھے۔ اردو اور فارسی کی کتابوں، اخباروں اور رسالوں پر بے لاگ تبصرے بھی شائع کیے جاتے تھے۔ مشہور شعرا کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ غالبؔ اور غالبؔ کے معاصرین اور متاخرین شعرا و ادبا کا کلام، حالات، وفات کی تاریخیں، مضامین، قطعاتِ تاریخ اور دیگر اخباروں سے حاصل شدہ مضامین اور اطلاعات کو اس اخبار کی زینت بنایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کا بیان ہے کہ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک اخباروں میں تفتہؔ اور غالبؔ کا وہ کلام بھی درج ہے جو اور کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔(۳)

'اودھ اخبار' کو ادبی حوالے سے اعتبار بخشنے میں ایک طرف منشی نول کشور کا ہاتھ تھا جنھوں نے ہندوستان کے شہروں میں سفر کر کے وہاں کی علمی و ادبی شخصیات سے نہ صرف ملاقاتیں کیں بلکہ ان سے ذاتی مراسم بھی پیدا کیے، تو دوسری طرف اردو کے وہ بڑے شعرا و ادیب تھے جنھوں نے 'اودھ اخبار' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھال کر اس اخبار کا رخ ادب کی طرف موڑ دیا۔ 'اودھ اخبار' کے سب سے پہلے ایڈیٹر مولوی ہادی علی اشکؔ تھے۔ ان کے بعد افضل العلما مولوی فخر الدین فخرؔ لکھنوی، مہدی حسن خان، مولوی غلام محمد خان تپشؔ، پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ، راجا شیو پرشاد، سیّد امجد علی اشہری، مولوی رونق علی افسوںؔ، منشی طوطا رام شایاںؔ اور مرزا یاس یگانہؔ چنگیزی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مذکورہ لوگوں کے علاوہ ہرگوپال تفتہؔ، مردان علی خان رعناؔ، عبدالحلیم شررؔ لکھنوی، جالبؔ دہلوی، شوکت تھانوی، مرزا محمد عسکری اور پیارے لال شاکر وغیرہ حضرات نے اس اخبار کو اپنی علمی گُل افشانیوں سے چار چاند لگا دیے۔(۴)

منشی ہرگوپال تفتہؔ فارسی کے مسلم الثبوت شاعر اور غالبؔ کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے۔ غالبؔ کے سب سے زیادہ خطوط ان ہی کے نام ملتے ہیں۔ غالبؔ کے شاگردوں میں انھیں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے (معلومہ دستیاب مواد کے مطابق) سوائے ایک اردو قطعہ کے جو اپنے استاد غالبؔ کی وفات پر کہا تھا، جو کچھ بھی کہا فارسی ہی میں کہا۔ غالبؔ انھیں ''کاشانۂ دل کے ماہِ دو ہفتہ'' کہتے

تھے۔ غالبؔ نے دیوانِ تفتہؔ پر معرکہ آرا دیباچہ بھی لکھا تھا اور انھیں ہمیشہ اپنے فرزند کے برابر سمجھتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں، ''خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزندِ معنوی کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمھارے نتائجِ طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔''(۵) تفتہؔ کی تصنیفات میں چار ضخیم دیوان جن میں اشعار کی تعداد کم و بیش ۵۰ ہزار ہے۔ ان کے علاوہ تین منظوم تصانیف 'تضمین کریما'، 'تضمینِ گلستاں' اور 'سنبلستان' ان کے نتائجِ فکر سے ہیں۔ تفتہؔ کی تخلیقات 'اودھ اخبار' میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے نشان دہی کی ہے کہ 'اودھ اخبار' مطبوعہ ۲۶/اکتوبر ۱۸۶۹ء کے صفحہ ۱۰۳۲ سے ۱۰۳۹ تک تفتہؔ کا ترجیع بند بسلسلۂ وفاتِ غالبؔ درج ہے۔ اس بند کا ۲۲واں شعر ہے:

در من او بیاری بختم
تا چهل سال ماند صحبت ہا

مصرعِ ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ غالب کی وفات یعنی ۱۲۸۵ھ سے ۴۰ سال قبل ۱۲۴۵ھ میں غالبؔ کے شاگرد ہوئے تھے۔ سعدیؔ کی 'بوستان' کے جواب میں تفتہؔ نے ایک مثنوی 'سنبلستان' تحریر کی تھی اس کی دوسری اشاعت مطبع نول کشور سے ۱۸۶۵ء میں ہوئی تھی۔ قیامِ لکھنؤ کے دوران تفتہ نے ایک اور مثنوی بروزن 'نل دمن' تصنیف کی تھی اس کے طبع ہونے کا اعلان 'اودھ اخبار' ۲/مئی ۱۸۶۵ء کو ہوا تھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے نشان دہی کی ہے کہ اودھ اخبار ۱۸۶۳ء سے دسمبر ۱۸۶۵ء کے شماروں میں تفتہؔ کا نایاب کلام موجود ہے۔ فروری ۱۸۶۵ء میں تفتہؔ لکھنؤ میں تھے۔ انھی دنوں میں انھوں نے منشی نول کشور کی مدح میں فارسی زبان میں ایک قصیدہ بھی موزوں کیا تھا۔ اس کا پہلا اور آخری شعر درج ذیل ہے:

دلم برد و رضا بہر فغاں داد   خوش آنکو آتشم برد و دخاں داد
حیات خضر امّا زیں قصیدہ   بس او را تفتہ معجز بیاں داد

تفتہؔ کے مطبع میں آنے کی تاریخ بھی منشی کالکا پرشاد موجدؔ نے موزوں کی تھی۔ تاریخ یہ ہے:

تفتۂ آتش زماں شمع شبستانِ ہند   مطبع پرنور را ساختہ پرنور تر
خامۂ موجدؔ زد از سال مسیحش دم [کذا]   ز آمدنِ تفتہ شد گرمیِ بزمِ ہنر
۱۸۶۵ء

جن دنوں تفتہ لکھنؤ میں تھے ان ہی دنوں میں میر محمد ہادی علی المتخلص بہ اشک کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس موقع پر تفتہ نے بھی ان کے انتقال کی تاریخ کہی تھی۔ یہ تاریخ 'اودھ اخبار' کی زینت بھی بنی۔ تاریخ یہ ہے:

مولوی ہادی علی اشک از جہاں رفت و مرا　　اندوہش در سینہ جاگیر و غمش در دل خزد
پس جز ایں دیگر چہ تاریخش نویسم تفتہ من　　رحلت ہادی علی اشک از جہاں جانم گزد

۱۲۸۱ھ

۱۸۶۹ء میں غالب کی وفات ہوئی تو تفتہ نے غالب کی وفات کی تاریخیں کہہ کر 'اودھ اخبار' میں بھیجیں۔[۶] جب تفتہ کا انتقال ہوا تو ان کی وفات کی تاریخیں بھی 'اودھ اخبار' میں شائع ہوئیں۔ تفتہ کی وفات کی تاریخیں دوسرے اخبارات میں بھی شائع ہوئی ہوں گی لیکن فی الوقت موضوعِ بحث 'اودھ اخبار' ہے۔ راقم الحروف کو 'اودھ اخبار' کے شمارہ مؤرّخہ ۲۹/ نومبر ۱۸۷۹ء، ۱۳/ دسمبر ۱۸۷۹ء اور ۲۰/ دسمبر ۱۸۷۹ء کے شماروں میں تفتہ کی وفات کی تاریخیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی کل تعداد ۳۷ ہے۔ ان میں ۲۹ تاریخیں ۲۹/ دسمبر ۱۸۷۹ء کے اخبار میں ۲ تاریخیں ۱۳/ دسمبر کے اخبار میں اور ۳ تاریخیں ۲۰/ دسمبر کے اخبار میں شائع ہوئیں۔

تفتہ کا انتقال کس مقام پر ہوا، اس میں اختلاف ہے۔ مالک رام نے ان کی جائے وفات 'تاریخِ بلند شہر' کے حوالے سے سکندر آباد بیان کی ہے جب کہ ڈاکٹر حنیف نقوی نے انجم شیخ پوروی کے قطعۂ تاریخ کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی جائے وفات دہلی بتائی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا بیان ہے۔ ''ہمارا خیال ہے کہ انجم کو انتقال کی تفصیلات 'اودھ اخبار' سے معلوم ہوئی ہوں گی۔ جس کے ایک شمارے میں ان کے اور دوسرے متعدد شعرا کے قطعاتِ تاریخ شائع ہوئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ تفتہ کا انتقال دہلی میں ہوا ہو اور ان کی آخری رسوم سکندر آباد میں ادا کی گئی ہوں۔ انجم کے بیان کو اس لیے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انھی کے ایک قطعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ کا انتقال تپِ وبائی سے ہوا تھا۔''[۷]
نقوی صاحب کے مذکورہ بالا بیان میں کچھ باتیں وضاحت طلب ہیں۔ پہلی یہ کہ تفتہ کی وفات کی تاریخیں 'اودھ اخبار' کے ایک ہی شمارے میں شائع نہیں ہوئیں۔ اس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ دوسری یہ کہ 'اودھ اخبار' کے مخصوص شمارے میں تفتہ کی وفات کی متعدد تاریخیں شائع نہیں ہوئیں۔ مخصوص

شمارے میں زیادہ سے زیادہ تاریخوں کی تعداد ۲۹ ہے۔ تیسری بات یہ کہ تفتہ کی وفات کی تاریخیں 'اودھ اخبار' کے ایک شمارے میں شائع نہیں ہوئیں بلکہ تین مختلف شماروں میں شائع ہوئیں۔ چوتھی یہ کہ انجم کو تفتہ کی جائے وفات کا علم 'اودھ اخبار' سے نہیں ہوا کیوں کہ 'اودھ اخبار' میں شائع ہونے والی تاریخوں میں جائے وفات کا ذکر نہیں۔ ان باتوں کے پیشِ نظر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نقوی صاحب نے غالباً 'اودھ اخبار' کے مذکورہ شمارے نہیں دیکھے بلکہ بیاضِ جابر علی خان میں مندرج قطعات کو دیکھتے ہوئے اور قیاس کرتے ہوئے مذکورہ بالا باتیں درج کی ہوں گی۔

تفتہ کی وفات کے حوالے سے 'اودھ اخبار' میں چھپنے والی تاریخوں اور دیگر دستیاب تاریخوں کو دیکھتے ہوئے بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ تفتہ کی وفات کی تاریخ کسی بھی بڑے تاریخ گو شاعر نے نہیں کہی۔ اس وقت مظفر علی اسیر، جلال لکھنوی، قدر بلگرامی، امیر مینائی، داغ دہلوی، ضیاء الدین احمد خان نیر، امیر اللہ تسلیم، قربان علی بیگ سالک، ظہور دہلوی، سیف الحق ادیب، جلیل مانک پوری، جویا مراد آبادی، نساخ، نواب نیاز احمد خان ہوش، انوار حسین تسلیم سہسوانی، شاہ محمد عزیز اللہ عزیز، مفتی غلام سرور لاہوری، میر مہدی مجروح وغیرہ جیسے معتبر اور قد آور تاریخ گو شعرا حیات تھے۔ مذکورہ بالا شعرا میں غالب کے شاگردوں کے نام بھی شامل ہیں لیکن انھوں نے بھی تفتہ کی وفات کی تاریخیں نہیں کہیں۔ ہندو تاریخ گو شعرا میں منشی رام پرشاد ظاہر، امرناتھ اکبری اور نتھن لال بہجت وغیرہ کا شمار با کمال اور مشاق تاریخ گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی بھی تفتہ کی وفات کی کہی ہوئی تاریخیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ حالاں کہ امرناتھ اکبری کے دیوان میں تفتہ کے دیوان کی چار تاریخیں موجود ہیں[۸] لیکن تفتہ کی وفات کی ایک بھی تاریخ موجود نہیں۔ تفتہ کے بھانجے منشی بالمکند بے صبر کے قلمی دیوان میں بھی تفتہ کی وفات کی صرف ایک ہی تاریخ موجود ہے۔[۹] ہوسکتا ہے کہ تفتہ کی وفات کی تاریخوں کے نہ کہے جانے کی ایک وجہ یہ ہو کہ تفتہ اپنے عہد کے ادیبوں سے زیادہ میل جول رکھنا پسند نہ کرتے ہوں اور ان کا حلقۂ احباب محدود ہو یا یہ ہوسکتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر لوگوں کو دیر سے ملی ہو اور انھوں نے یہ سوچ کر طبع آزمائی نہ کی ہو کہ اب تاریخ کہنے کا کیا فائدہ (اس بات کا امکان کم ہی ہوسکتا ہے کیوں کہ 'اودھ اخبار' کے تین شماروں میں ان کی وفات کی تاریخیں شائع ہوئی تھیں اور 'اودھ اخبار' پورے ہندوستان میں پڑھا جاتا تھا۔ اس لیے تفتہ

کی وفات کی خبر کا لوگوں کے علم میں نہ آنا قرین قیاس نہیں۔) 'اودھ اخبار' میں جن شعرا کے قطعات تاریخ شائع ہوئے ہیں، ان میں دو چار شعرا کے علاوہ تمام شعرا غیر معروف ہیں۔ ان شعرا میں بھی نادر خان شوخؔ اور سید محمد سلطان عاقلؔ، غالبؔ کے (برائے نام) شاگرد ہونے کی وجہ سے معروف شعرا کی ذیل میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی شمالی ہند میں اردو تاریخ گوئی کے عروج کی صدی ہے۔ اس صدی میں ایسے ایسے باکمال تاریخ گو شعرا پیدا ہوئے جنھوں نے تاریخ گوئی بالخصوص اردو تاریخ گوئی کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا تھا اور اس فن میں ایسی ایسی گل کاریاں کیں جنھیں دیکھ کر عقل انسانی ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ اس عہد کے شعرا نے شاعری کی تقریباً ہر مروّج صنف، ہیئت اور بحر میں تاریخیں کہیں۔ تاریخ گوئی کے نت نئے نمونے سامنے آئے۔ چنانچہ تاریخ گو شعرا کا ایک جمِ غفیر شمالی ہند کی سرزمین میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا اور اپنی نادرہ کار گُل کاریوں کے نمونے ثبت کرنے میں منہمک نظر آتا ہے۔ شمالی ہند کی اس صدی میں جتنی کثیر تعداد میں تاریخ گو شعرا نظر آتے ہیں، اس سے پہلے اور بعد کی صدی میں تاریخ گو شعرا کی اتنی بڑی تعداد دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس عہد میں شعرا کو تاریخیں کہنے کا ایسا چسکا لگ گیا تھا کہ بات بات پر تاریخیں کہتے اور اپنے مشاقیِ فن کا ثبوت دیتے۔ شعرا پر تاریخ گوئی کا خبط اس حد تک سوار ہو چکا تھا کہ دن رات اسی عمل میں منہمک رہتے۔ بات بات پر تاریخ کہتے، گویا یہ ایک لت تھی جس کی تشفی کے لیے تاریخیں کہی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں انتہائی غیر اہم اور معمولی معمولی واقعات کی کہی گئی بے شمار تاریخیں نظر آتی ہیں۔

شعرا کو تاریخ کہنے کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ تاریخ کہنے کے لیے اہم و غیر اہم واقعات تلاش کیے جاتے۔ دوست، عزیز، احباب میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو پہلے سے اس کی تاریخ وفات کا مادہ ڈھونڈھ لیا جاتا کہ عین وقت پر مادۂ تاریخ ہاتھ نہ آیا تو پھر کیا کریں گے اور جب مذکورہ شخص کی وفات نہ ہو پاتی تو کفِ افسوس ملتے کہ ان کا تلاش کیا ہوا مادۂ تاریخ ضائع ہو گیا اور ان کی محنت وصول نہ ہو سکی، گویا تاریخ کہنے کے لیے ایسی سان کی ضرورت ہوتی تھی جس پر اپنے اوزاروں کو صیقل کر سکیں۔ چنانچہ تاریخ کہنے کے لیے شعرا اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتے اور جو بھی واقعہ رونما ہوا ہوتا، اس کی تاریخ کہتے۔ بڑے شاعر،

عزیز، دوست احباب میں سے کسی کے فوت ہونے کی خبر ملتی تو تاریخ کہنے کی سبقت میں اس کی تصدیق بھی نہ کی جاتی اور تاریخ کہہ کر مشہور کر دی جاتی۔ داغؔ دہلوی آخری عمر میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کے مرنے کی غلط خبر عوام میں پھیل گئی تو شعرا نے بغیر تصدیق کیے ان کی وفات کی تاریخیں کہہ دیں اور اخباروں میں چھپوا دیں۔ ایسا ایک آدھ بار نہیں تین چار بار ہوا۔(۱۰) تفتہؔ اسی عہد میں فوت ہوتے ہیں۔ ایسے عہد میں غالبؔ کے چہیتے شاگرد کے فوت ہونے پر تاریخوں کی محدود تعداد میں دستیابی بڑی حیران کن بات ہے۔

۲۹؍ دسمبر کے 'اودھ اخبار' میں تفتہؔ کی وفات کی ۲۹ تاریخیں شائع ہوئیں۔ غالباً یہ تمام تاریخیں ان شعرا کی ہیں جن کا تعلق بنارس سے تھا۔ بنارس میں اس وقت مرزا قادر بخش صابرؔ جیسا معروف شاعر موجود تھا۔ اس تاریخ کے اخبار میں شامل تمام شعرا یا تو صابر کے براہِ راست شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام تاریخیں مرزا قادر بخش صابر کے ایما اور تقلید میں کہی گئی ہیں۔ ابھی تک مرزا قادر بخش صابرؔ اور منشی ہرگوپال تفتہؔ کے درمیان تعلقات اور مراسم سامنے نہیں آسکے ہیں۔ اس لیے فی الوقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تمام تاریخیں صرف تفننِ طبع کی خاطر کہی گئی ہیں یا ان کا تفتہ سے کوئی تعلق بھی بنتا ہے۔ مرزا قادر بخش صابرؔ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن بنارس میں آ رہے تھے۔ غالبؔ کے وہ شاگرد نہیں تھے۔ جب کہ تفتہؔ کا تعلق سکندر آباد سے تھا۔ دہلی میں ان کے طویل قیام کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ البتہ کول میں ضرور رہے۔ اردو میں سوائے ایک قطعہ کے کوئی شعر نہیں کہا۔ ممکن ہے تفتہؔ کے غالبؔ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے اور غالبؔ کا دہلی سے تعلق، صابرؔ اور ان کے شاگردوں کی کہی ہوئی تاریخوں کا سبب بنا ہو۔

نساخؔ نے 'سخنِ شعرا' میں مرزا قادر بخش صابرؔ کے اٹھارہ شاگردوں کے تراجم شامل کیے ہیں۔ صابرؔ نے بھی 'گلستانِ سخن' میں اپنے کچھ شاگردوں کے تراجم درج کیے ہیں۔ 'اودھ اخبار' میں شامل صابرؔ کے جن شاگردوں کی تاریخیں شائع ہوئی ہیں، ان کا نام مذکورہ دونوں تذکروں میں نہیں۔ صابرؔ نے 'گلستانِ سخن' کی تالیف کا آغاز ۱۲۷۰ھ میں کیا۔ ایک سال بعد ۱۲۷۱ھ میں یہ تذکرہ مکمل ہو گیا اور اسی زمانے میں ۱۲۷۱–۷۲ھ میں پہلی مرتبہ مطبع مرتضوی دہلی سے شائع بھی ہو گیا۔ اس تذکرے میں صابرؔ

کے ان شاگردوں کے تراجم موجود ہیں جو غدر سے قبل ان کے حلقۂ تلمذ میں آ چکے تھے۔ لہٰذا ان شعرا کے تراجم اس میں شامل ہو ہی نہیں سکتے جو غدر کے بعد بنارس میں ان کے حلقۂ تلمذ میں آئے لیکن حیرت اس بات کی ہے کہ 'گلستانِ سخن' جو دوسری مرتبہ ۱۲۹۹ھ میں مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا، (صابر کا انتقال بھی اسی سال ہوا) اس ایڈیشن میں بھی صابرؔ کے ان شاگردوں کے تراجم موجود نہیں۔ ۲۸ سال کے اس عرصے میں بہت سے شاگردان کے حلقۂ تلمذ میں آئے ہوں گے لیکن انھوں نے ان کے تراجم اس تذکرے میں شامل نہیں کیے۔ صابرؔ کے کئی شاگردوں کے تراجم 'خم خانۂ جاوید' کی پانچوں جلدوں میں اور 'خم خانۂ جاوید' کی چھٹی جلد میں بھی موجود ہیں۔ صابرؔ کے کچھ شاگردوں کے حالات و کلام گلدستوں اور دیگر کتب میں بھی موجود ہوں گے جن کی بنا پر صابرؔ کے شاگردوں کی مجموعی تعداد پچاس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی تک بالعموم ہجری سنہ میں ہی تاریخیں کہی جاتی تھیں لیکن انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے انگریزوں کے ہندوستان میں اقتدار کے استحکام کے ساتھ ہی سنہ عیسوی کا اجرا ہوا تو ہجری سنہ کے ساتھ ساتھ عیسوی سنہ میں بھی تاریخیں کہی جانے لگیں۔ اس کا ثبوت انیسویں صدی کے آغاز ہی میں فورٹ ولیم کالج سے شائع ہونے والی کتابوں میں شامل قطعات تاریخ سے مل جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام ہندوستان بالخصوص شمالی ہند کی تاریخوں میں ہجری اور عیسوی سنہ کے ساتھ ساتھ فصلی، سمبت، بکرمی، مہدوی، اور بنگلہ سنین میں بھی تاریخیں کہی جانے لگیں (اس بیان سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فصلی... الخ سنین میں پہلے تاریخیں نہیں کہی گئیں) اس صدی میں سنہ ہجری کے بعد سب سے زیادہ سنہ عیسوی میں تاریخیں کہی گئیں۔ ان کے علاوہ مذکورہ بالا تمام سنین میں بھی تاریخیں کہی جاتی رہیں۔ نواب صدر محلؔ کا دیوان ''بادشاہ نامہ'' شائع ہوا تو اس کی تاریخ مہتاب الدولہ بہادر درخشاںؔ نے کہی جس میں انھوں نے ہجری، عیسوی، ولایتی، فصلی، سمبت، اور بنگلہ سنین میں مادۂ تاریخ نکالے۔[11] 'اودھ اخبار' میں بھی مذکورہ بالا سنین میں تاریخیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مرزا تفتہؔ کی وفات کی تاریخیں بھی مذکورہ سنین میں نکالی گئیں۔

جس طرح مشاق، ہنرمند اور باکمال شعرا کی ہر دور میں کمی رہی اسی طرح مشاق، ہنرمند اور

باکمال تاریخ گو شعرا کی بھی ہر دور میں کمی رہی۔ انیسویں صدی میں شعرگوئی تہذیبی مزاج کا حصہ بن چکی تھی، اسی لیے اس زمانے میں ہر شخص شعر کہتا نظر آتا تھا اور جو شخص شعر کہنے پر قدرت رکھتا تھا اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ تاریخ بھی کہے۔ اسی لیے اس عہد میں تاریخ گو شعرا کی بھی کمی نہیں رہی۔ جب ہر شخص شاعر ہو اور تاریخ بھی کہے تو ان کی شاعری اور تاریخ کے معیار کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ 'اودھ اخبار' میں شائع ہونے والی بیشتر تاریخیں عام سی تاریخیں ہیں جنھیں زبردستی کی تاریخیں کہنا نامناسب نہیں۔ فنِ تاریخ گوئی کی کتابوں میں تاریخ کے جو محاسن اور معائب بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ یا تاریخی قطعہ وقوعِ واقعہ سے متعلق ہو اور اس واقعہ سے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات پیش کرتا ہو۔
۲۔ مادۂ تاریخ ایسا ہو کہ اگر پورا قطعہ تاریخ سامنے نہ بھی ہو تب بھی اس سے اس واقعہ کی نشاندہی ہوتی ہو جس کی تاریخ کہی گئی ہے۔
۳۔ تاریخ میں سال، مہینہ، تاریخ اور دن کا تعین کیا گیا ہو۔
۴۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہو۔
۵۔ مادۂ تاریخ ہجری اور عیسوی دونوں سنین میں نکالا گیا ہو۔
۶۔ مادۂ تاریخ رواں ہو اور اس میں بے ساختگی پائی جائے۔ مادۂ تاریخ آورد کی بجائے آمد لگے۔

اودھ اخبار کے تینوں شماروں میں تفتہؔ کی وفات کی جو تاریخیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تاریخ ان تمام معیارات پر پورا نہیں اترتی البتہ چند تاریخوں کو اچھی تاریخوں میں ضرور شمار کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان میں مذکورہ بالا محاسن میں سے ایک یا دو محاسن ضرور موجود ہیں۔ ان تاریخوں میں انجم شیخ پوروی کی دونوں تاریخوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان تاریخوں سے تفتہؔ کی جائے وفات اور وجہ وفات پر روشنی پڑتی ہے۔ تفتہؔ کی وفات کی تمام تاریخوں میں یہ واحد تاریخ ہے جس سے تفتہؔ کی جائے وفات کی نشاندہی ہوتی ہے اور اسی تاریخ سے ڈاکٹر حنیف نقوی نے تفتہ کی جائے وفات کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے علاوہ سید محمد کا مادۂ تاریخ ''خنک شد تفتہ'' مرزا محمد قیصر کا مادۂ تاریخ ''جناب

عالی تفتہ مرد‘‘، میر محمد سلطان عاقلؔ کا مادۂ تاریخ ’’سوزِ دل تفتہ شد‘‘، میر نواب جان کا مادۂ تاریخ ’’تفتۂ پاک باز مر گئے حیف‘‘ اور مرزا محمد حسن کا مادۂ تاریخ ’’قلق تفتہ دل و جان سوزند‘‘ کو خوب صورت مادہ ہائے تاریخ میں شمار کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان مادہ ہائے تاریخ میں تاریخ کی وہ خوبی موجود ہے جسے محاسنِ تاریخ گوئی میں شمار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا مادوں کو پڑھتے ہوئے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تفتہؔ کی وفات کی تاریخیں ہیں۔ تفتہؔ کی وفات کی جو تاریخیں کہی گئی ہیں ان میں سے سب سے خوب صورت بدری کرشن فروغؔ کی تاریخ کو کہا جا سکتا ہے۔ یہ تاریخ درج ذیل ہے:

ستمبر ستم ہا بعالم گذاشت — کہ از دہر سوے جناں تفتہ رفت
دوم روز در دہر ماتم دو چند — ز جور فلک الاماں تفتہ رفت
کنوں کو بحالِ جہاں مہرباں — ز اہل جہاں مہرباں تفتہ رفت
بخوں گشتہ پر چشم افلاکیاں — جہاں راست وردِ زباں تفتہ رفت
سنِ عیسوی گفتم آخر فروغ — چہ سوے جناں زیں جہاں تفتہ رفت (۱۲)

ذیل میں ’اودھ اخبار‘ میں شائع شدہ تفتہؔ کی وفات کی تاریخیں پیش کی جا رہی ہیں اور آخر میں ان تاریخوں کے خالق کے حالات کا اندراج اور مادۂ تاریخ سے مطلوبہ سنین کا استخراج بھی کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ جن مادہ ہائے تاریخ سے مطلوبہ سنین برآمد نہیں ہوتے یا ان کے متون میں کوئی غلطی موجود ہے ان کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

از ’اودھ اخبار‘ مورّخہ ۲۹ نومبر ۱۸۷۹ء صفحہ نمبر ۳۶۷۷-۳۶۷۶

تاریخِ وفات مرزا ہرگوپال مرحوم متخلص بہ تفتہ طبع زاد معدن ذہن رسا سراپا عقل و ذکا مولوی سیّد محمد صاحب مدرس اردو نارمل اسکول بنارس متوطن بھرت پور در سنہ ہجری و عیسوی و سنبت بکرم:

ناظمِ کشورِ سخن گفتہ — بود در ہم سرانِ خود فایق
گر بجوئی تو وجہِ فوتش و سال — کن بہ تفتہ تب وبا لاحق (۱۳)

۱۲۹۶ھ

ایضاً

شد خنک تفتہ بہ بحر وصل حق — کاملے بودست از کملاے ہند
گفت ہاتف سال بکرم بہر وصل — آہ مردہ خاتم شعراے ہند (۱۴)

سمت ۱۹۳۶

ایضاً

پارسی سیرت و ہندی صورت — نامور تفتہ ز دنیا رفتہ
سال آں بادلِ غمگیں فی الفور — گفت ہاتف کہ خنک شد تفتہ (۱۵)

۱۸۷۹ء

از نتائجِ فکر حضور پرنور صاحب عالم و عالمیان رشکِ عرفی و خاقانی مصداق ہمہ دانی شہزادہ تیموری گورگانی حضرت مرزا قادر بخش دہلوی:

تفتۂ ماہر سخن شد فوت — بود الحق کلام او بے عیب
سخنش بود ہم چو جاں شیریں — نہ بود اندریں سخن شک و ریب
کرد صابرؔ رقم سنِ فوتش — ...آوازہ و لسان الغیب (۱۶)

قطعہ تاریخ از نتائجِ طبع نقاد و فکر خداداد فرماں فرماے اقلیم سخنوری حکومت راں مملکت ہنر پروری حضرت مرزا قیصر بخت بہادر خلف الصدق حضرت صابر بہادر داماد رئیسہ خاندانِ شہزادگان بنارس:

تفتہ آتش زباں تھا ایسا — تھا اس کا کلام مثلِ شعلہ
تھا چرخِ سخن پہ جلوہ فرما — مصرع مصرعِ ہلال آسا
چھوڑی دنیا فروغ اس نے — احباب کو رنج میں پھنسایا
رحلت سوے عالمِ بقا کی — ماتم خانہ ہوئی ہے دنیا
تھا شاعرِ بے مثال تفتہ — تھا ناظمِ با کمال تفتہ
تھا ماہرِ علمِ فارسی وہ — دانندہ رموزِ شاعری کا

واقف تھا نکاتِ شاعری سے　　پُر گو و متین و نغز گویا
دیوان دیوان ہیں اُس کے دیوان　　اچھا مضموں کوئی نچھوڑا [کذا]
جس بیت میں وصفِ شعلہ رو ہے　　اک آتشِ لعل ہے وہ گویا
بندش کی صفائیوں نے اُس کی　　ہر لفظ کو آئینہ بنایا
جس شعر میں ذکرِ زندگی ہے　　وہ آبِ حیات کا ہے چشما
وہ فوت ہوا تو یہ لکھا سال　　گویا مضمونِ مرگ باندھا[۱۷]

۱۲۹۶ھ

دیگر از نتائج فکر حضور موصوف

روزے دیدم در بازار عقل و خرد را مضطر و زار
ہوش و حواس و صبر و قرار تابوتی برسر می برد
پرسیدم ایں واقعہ چیست حیف بہ تابوت اندر کیست
گریاں گریاں گفتہ زیست جناب عالی تفتہ مرد[۱۸]

۱۲۹۶ھ

دایرہ تاریخ از حضور ممدوح

ازیں دائرہ ہر خانہ کہ خواہند مبداء قرار دادہ خواہ بحساب فرد خواہ بحساب زوج استخراج سن مطلوبہ کنند طریق استخراج بحساب فرد انیست مثلاً جواد را مبداء قرار دادہ اعداد بگیرند و باز مراد را خانہ اول قرار دادہ اعداد خانہ سوی خواہ پنجمیں خواہ ہفتمی وغیرہ بگیرند ہمیں طریق اعداد ہفت خانہ گرفتہ شمار نمایند ۱۲۹۶ھ حاصل خواہد شد و جناب زوج اینست کہ مثلاً ہمو تجانہ جواد را مبداء قرار دادہ اعداد خانۂ دوئم خواہ چہارم خواہ ششم وغیرہ بگیرند حتی کہ اعداد ہفت خانہ فراہم آمد ۱۲۹۶ھ حاصل خواہد شد۔[۱۹]

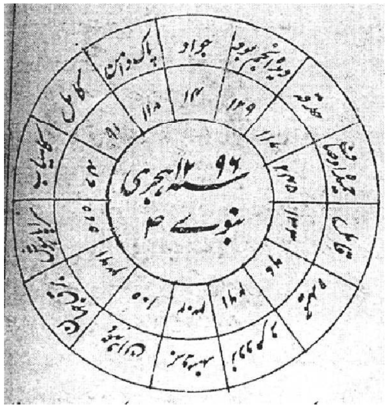

تاریخ از نتیجۂ فکر مرشدزادہ آفاق حضور مرزا ذاکر الدین بہادر زینت افزاے شہر بنارس شاگرد مرزا صابر:

افسوس کہ تفتہ ز جہاں رحلت کرد　　شد چشم جہاں زرنج و افسوس سیاہ
آہے بکشید و گفت ذاکر تاریخ　　او مہر سپہر نکتہ دانی بود آہ[۲۰]

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد مرشدزادہ آفاق مرزا احسنؔ بخت بہادر زینت افزاے شہر بنارس شاگرد حضور مرزا صابر بہادر:

ہوا تفتہ صاحب کا جب انتقال　　سبھی کو ہوئی فکرِ تاریخ و سن
جب احسنؔ سے پوچھا سنِ انتقال　　کہا فارسی دان لشکر شکن[۲۱]

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجہ افکار نادر الابکار جناب نادر شاہ خان صاحب متخلص بہ شوخؔ متوطن رام پور شاگرد حضرت مرزا صابر:

تفتہ شاعر زیبا حیف رفت از دنیا　　سال انتقالش را فکر شوخ طالب بود
خوب منکشف شد از باب تعمیہ شد باز　　آمد از فلک آواز یادگارِ غالب بود[۲۲]

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ طبع زاد شاعر نازک خیال جناب نواب میر محمد سلطان متخلص بہ عاقلؔ دہلوی عندلیب چمنستان شاگردی حضرت مرزا صابر:

در زندگی تفتہ بود مالوف بہ فنِ شعر
مدفوں بہ زمینِ شعر آں شاعرِ غرّا شد
چوں دستِ اجل بر خاک حیف آبِ حیاتش ریخت
عاقلؔ سنِ فوتش گفت سوزِ دل تفتہ شد(۲۳)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجہ افکار جناب میر روشن علی صاحب روشنؔ بنارسی شاگرد حضرت مرزا صابر بہادر:

تفتۂ تفتہ جاں ز دنیا شد　　شد ازیں حادثہ جہاں بیہوش
فکر تاریخ بود روشن را　　دیدہ رنجِ عظیم گفت سروش(۲۴)

۱۲۹۶ھ

قطعہ از جناب میر نواب جان صاحب متخلص بہ نوابؔ برادر خورد جناب میر محمد سلطان صاحب شاگرد حضرت صابر:

تفتہ شاعر تھے معرکہ آرا　　تھا سخن اُن کا بہرِ حاسد سیف
سالِ تاریخ یہ لکھا نواب　　تفتۂ پاک باز مرگئے حیف(۲۵)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب میر گوہر علی صاحب گوہرؔ ساکن ٹکاری شاگرد حضرت مرزا صابر بہادر:

سخن سنج در فارسی بود تفتہ　　کلامش خجل کرد ایرانیاں را
رقم کرد گوہرؔ سنِ انتقالش　　گرامی گہر منشی ہوش افزا(۲۶)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب میر خیرات علی صاحب عاصیؔ ساکن قصبہ داؤدنگر شاگرد حضرت مرزا صابر بہادر:

رفت تفتہ چو از سرائے جہان　　شد جہان و جہانیاں را غم
کرد عاصیؔ چو فکرِ تاریخش　　غمِ جاں کاہ معنوی گفتم(۲۷)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب میر سید علی صاحب سیدؔ بنارسی شاگرد حضرت مرزا صابر بہادر:

تفتۂ باوقار فوت ہوئے　　لکھے گا اُن کی اک جہاں تاریخ
مجھ سے دل نے کہا کہ اے سیدؔ　　کہہ غمِ محسنِ زمان تاریخ(۲۸)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب نظیر احمد خان صاحب متخلص بہ ضمیرؔ شاگرد حضرت موصوف:

از جہاں تفتۂ روشن دل رفت　　سخنش مثل سحر بود صبیح
خواست تاریخِ ضمیرؔ از ہاتف　　گفت لاثانی و بے مثل و صحیح(۲۹)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب واجد علی خان صاحب واجدؔ شاگرد حضور موصوف:

حیف اُٹھا وہ دنیا سے　　اچھا شاعر تھا تفتہ
لکھ دو واجدؔ تم تاریخ　　بالکل صاحبِ قدرت تھا(۳۰)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ جناب شیخ نبو صاحب ہلالؔ ساکن بنارس شاگرد حضرت مرزا صابر:

تفتہ صاحب کو سلیقہ فارسی میں تھا کمال
تھے بڑے شاعر ادب داں ذی شعور و باصفات
رہروِ ملکِ عدم جس دم ہوئے وہ اے ہلالؔ
ذی شعور با ادب میں نے لکھا سالِ وفات(۳۱)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب شیخ محسن علی صاحب جنوںؔ بنارسی شاگرد حضرت مرزا صابر:

کیوں کر شعرا کو ہو نہ افسوس　　تفتہ نے وفات پائی فی الحال
تھا حاکمِ ملکِ خوش بیانی　　تھا عالم شعر میں خوش اقبال
دل نے یہ کہا جنوںؔ کہ تم بھی　　تھا شاعرِ حکمراں لکھو سال(۳۲)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از شیخ عبداللہ صاحب وحشیؔ بنارسی شاگرد حضور موصوف:

مرگِ تفتہ کی جب خبر پائی　　ہوا غمگیں ہر ایک خاص و عام
میری وحشت بھی بڑھ گئی از حد　　میرے دل پر بھی چھا گئے آلام
پر میں وحشی ہوں فن شاعر میں　　نہیں وحشت سے خالی میرا کلام
لکھی تاریخ بھی جنوں انگیز　　کہ ہوں خوش شاعرانِ نیک انجام
سب پہ ظاہر ہو اُن کی سالِ وفات　　لیں اگر چار بار میرا نام(۳۳)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ طبع زاد جناب میر جمعیت علی صاحب برشتہؔ ساکن گڈھ مکتیسر صدر قانون گوے بنارس شاگرد حضور مرزا صابر بہادر:

اے برشتہ وفاتِ تفتہ سے　　آتشِ غم سے جل گئی دنیا
زبر اور بینات کی رو سے　　فکر تاریخ کا جو مجکو [کذا] ہوا
تعمیہ کر کے ایک کا ہاتف　　اُٹھ گئی آہ فارسی بولا(۳۴)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجہ طبع جناب مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب سحرؔ ذلہ ربائے خوانِ سخن حضرت مرزا صابر:

فوت شد تفتۂ شیریں گفتار　　صاحب فکر و سلیم و خوش خو
نام نامیش بود ہر گوپال　　بود بیمثل بہ ہندستاں او

سحرؔ فرمود بمن سال فناش　　سخنش سحر ادا بود بگو(۳۵)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب میرزا میر حسین صاحب متخلص بہ زائرؔ شاگرد جناب میر عاقل صاحب دہلوی:

ہو زمین شعر پر کیوں کر نہ حشر　　تفتۂ شیریں بیاں کو آئی موت
جل کے یہ تاریخ زائرؔ نے لکھی　　جلد مطلب موت کا یارب ہو فوت(۳۶)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب حیدر حسین صاحب سابق (کذا) شاگرد جناب میر عاقل صاحب دہلوی:

رفت از عالمِ فانی تفتہ　　صاحب ذہنِ رسا صائب رائے
گفت شایق بہ وفاتش تاریخ　　ہائے تفتہ بشد از دنیا ہائے(۳۷)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از نتائج طبع جناب مرزا محمد حسن صاحب متخلص بہ فائزؔ خلف ارشد مولوی مرزا الطاف حسن صاحب بنارسی:

سوز آتش کدۂ فارس غم　　ساز جمعیت انساں سوزند
تامہ عید شرار غم رفت　　داغ بنہاد و گریباں سوزند
فارسی گوے فصاحت پیرا　　کہ برشکش دل سحباں سوزند
مصرع سال وفاتش گفتم　　قلق تفتہ دل و جاں سوزند(۳۸)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب شیخ محمد فصیح اللہ صاحب سر (کذا) شاگرد میرزا محمد حسن صاحب فائز:

مرگِ تفتہ سے ہوا صرفِ خزاں　　بوستانِ غالبِ معجز بیاں
سالِ رحلت کے لیے نکلا ہے [کذا]　　ہم زبانِ غالبِ معجز بیاں(۳۹)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جناب شیخ محمد حیدر اشرف صاحب حیدرؔ شاگرد مرزا صاحب موصوف:

سخن پرور و خوش بیاں تفتہ نام　　سفر زیں سرائے غم افزا نمود
نوشتیم ناچار تاریخِ مرگ　　اجل محشرِ تازہ برپا نمود (۴۰)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ از جانب ذاکر حسین خان صاحب تاباںؔ شاگرد جناب مرزا محمد حسن صاحب فائز:

زبانِ فارسی کا لطف اُٹھا ہند سے گویا　　کہ ہرگوپال تفتہ نے قضا کی آج اے تاباں
یہ دل نے جب کہا ہم سے کہ تو تاریخ لکھ اس کی　　کہا ہم نے دلا بیمثل شاعر ہو گیا بے جاں (۴۱)

۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ مصنف بفہم ناقص و ذہن نارس بندہ پیارے لال متخلص بہ غناؔ متوطن لکھنؤ حال وارد بنارس ذلہ ربائے خوان الوان نعمت و منسلک سلک راتبہ خواران بہ ملازمت منشی بابو بلدیو سہا صاحب کوتوال شہر موصوف آقای نعمت افاضہ اللہ بردو احسانہ لکل عبدالرؤف:

تفتہ دنیا سے چل بسے افسوس　　ضد بہت مرگ و زندگی میں ہوئی
۴۰۰　　۸۰۰
صبر درکار ہے خدا سے غنا　　وہ مرے کیا کہ شاعری ہی گئی
۹۰　　۶
سر ہر چار مصرعِ بالا　　نظر غور سے جو دیکھے کوئی
صاف تاریخ فوت ظاہر ہے　　دل نے امداد غیب سے ہے کہی (۴۲)

۱۲۹۶ھ

ایضاً در سنہ فصلی

تفتہ صاحبِ مضموں بود　　رختِ سفر از دنیا بست
رفت بعرش بریں دردم　　قدرِ نظم نمود پست
در سنِ فصلی تعمیہ کرد　　فکر غناؔ از قید برست
سالِ وصالش از سرکار　　گفتہ ہاتف خدا پرست (۴۳)

۱۲۸۷فصلی

ایضاً در سنہ بنگلہ

جب کہ تفتہ کا انتقال ہوا　　ہوئی چاروں طرف سے واویلا
خاک میں مل گئی زمینِ شعر　　بڑھ کے رتبہ گھٹا ہلال آسا
ہجری و فصلی عیسوی سنبت　　فوت کا اُن کے سال سب نے لکھا
سنِ بنگلہ نہیں کسی نے لکھے　　اُس کو تو موزوں کر کے لکھ دے غناؔ
بیت کی بھی زمیں میں ہے بھونچال　　غمِ دل نے یہ اضطراب کیا
سرزنش سے ندا دی ہاتف نے　　قافیہ شعر کا بھی تنگ ہوا (۴۴)

۱۲۸۶بنگلہ

از اودھ اخبار مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۸۷۹ء صفحہ نمبر: ۳۸۳۹

قطعۂ تاریخ انتقال جناب مرزا ہرگوپال صاحب متخلص بہ تفتہؔ از نتائج طبع رسا محمد علی خان صاحب انجمؔ ساکن شیخ پورہ ضلع مونگیر:

انتقال از تپ وبائی کرد　　تفتہ شاگرد حضرت غالب
شعر فہمان آمُل و شیراز　　نظمِ او را ہمہ بہ جاں طالب
در فن شعر گوئی سبقت برد　　از کلیم و نظیری و صائب
ریخت در پیکرِ معانی جان　　داشت نطقِ مسیح در قالب
گفت سالِ وفات او انجم　　وائے صد حیف نائبِ غالب (۴۵)

۱۲۹۶ھ

دیگر

ہاں مگر تفتہ مرد در دہلی　　مردوزن اشک ریز می آیند
سال او ریخت از لبِ انجم　　بردہ نامِ سخن وری از ہند (۴۶)

۱۲۹۶ھ

ازاودھ اخبار مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۸۷۹ء صفحہ نمبر: ۳۹۳۱

تاریخِ وفات سخن دان طلیق اللسان مرزا ہرگوپال تفتہ صاحب از نتائجِ طبع مولوی ممتاز احمد صاحب تھانوی رفیق جناب میر ذوالفقار علی خان رئیس سورت:

درسنہ بنگلہ

از جہاں رفتہ میرزا تفتہ   نکتہ سنج و سخنورو خوش خو
گر بجوئی بہ مشعلِ خورشید   ہیچ شاعر نیابی ہم سر او
طبعِ محزونِ من بگفت چنیں   سال مرگش بلیغ مرد بگو[۴۷]

۱۲۸۶ب

درسنہ ہجری

چو تفتہ بملکِ عدم رفت گشت   بچشمِ جہاں روز روشن سیاہ
ز بسیاریِ رنج و غم جملہ خلق   ہمی کرد در ماتمش آہ آہ
سنِ فوت آں شاعرِ خوش مقال   بگفتیم ہائے غم روح کاہ[۴۸]

۱۲۹۶ھ

ایضاً

چوں جنابِ میرزاتفتہ بشد   زیں جہانِ فانی و دار المحن
سال نقلش بادلِ زار از خرد   من شنیدم بے سرو پا شد سخن[۴۹]

۱۲۹۶ھ

حواشی

۱۔ اردو کے اخبار نویس از امداد صابری، دہلی: صابرا کیڈمی، ۱۹۷۳ء، ص۲۷۵، ۳۳۰۔۳۲۱
۲۔ ایضاً ص۲۷۵
۳۔ ص۳۷۸۔غالبؔ اور تفتہؔ کے حوالے سے اودھ اخبار میں شامل خبروں سے متعلق مضامین کے لیے دیکھیے:

(i)مرزا غالب اور اودھ اخبار (ii)مرزا تفتہؔ اور اودھ اخبار، مشمولہ تحقیقی نوادر از ڈاکٹر اکبری حیدری کاشمیری، لکھنؤ: اردو پبلشرز، ستمبر۱۹۷۴ء، ص۳۹۰۔۳۶۰

۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو کے اخبار نویس، ص۳۳۱۔۲۷۴

۵۔ تفتہؔ اور غالبؔ از ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری، نئی دہلی: غالب اکیڈمی، دسمبر۱۹۸۴

۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱)مرزا غالب اور اودھ اخبار مشمولہ تحقیقی نوادر از اکبر حیدری، تلک مارگ، لکھنؤ: اردو پبلشرز، ۱۹۷۴ء، (۲)سوانح منشی نول کشور از سیّد امیر حسن نورانی، پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص۱۵۰

۷۔ غالبؔ: احوال و آثار از حنیف نقوی، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۰ء

۸۔ دیکھیے: دیوانِ اکبری، امرناتھ اکبری، لاہور: مطبع کوہِ نور، س۔ن، ص۱۲۸، ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۶۴

۹۔ کلیاتِ بے صبر، منشی بالمکند بے صبرؔ، قلمی ص۱۳۷۔منشی بال مکند بے صبرؔ نے ہرگوپال تفتہؔ کی درجِ ذیل تاریخ کہی ہے:

چو تفتہ کہ بد شاعر فارسی گو   براہِ سخن رفتہ رفتہ بمردہ
شبستانِ شعر و سخن گشتہ سرد   تو گوئی کہ ماہِ دوہفتہ بمردہ
چو سالِ وفاتش ز بے صبر جستم   بفرمود بس حیف تفتہ بمردہ

لیکن کالی داس گپتا رضاؔ نے اپنی تصنیف غالبؔ کا ایک مشاق شاگرد بالمکند بے صبرؔ (حیات، انتخاب اور تصانیف) ص۱۴ میں کلیات بے صبر (قلمی) سے تفتہؔ کی وفات کا بے صبر کے کہے ہوئے قطعۂ تاریخ کا یہ متن درج کیا ہے:

براہِ سخن رفتہ رفتہ بمردہ   تو گوئی کہ ماہِ دوہفتہ بمردہ
چو تفتہ کہ بد شاعر فارسی گو   شبستانِ شعر و سخن گشتہ بمردہ
چو سال وفاتش بہ بے صبر جستم   بفرمود بس حیف تفتہ بمردہ

اور حاشیے میں لکھا ہے کہ چوتھا مصرع کچھ یوں ہوگا۔ 'شبستانِ اشعارِ گشتہ بمردہ' اشعار کی جگہ غلطی سے شعروسخن لکھا گیا ہے۔ دراصل گپتا جی سے تفتہ کی وفات پڑھنے میں تسامح ہوا یا جس شخص نے انھیں مذکورہ قطعہ تحریر کر کے بھیجا اس سے نقل کرنے میں غلطی ہوئی۔ناقل نے نہ صرف مصرعوں کی ترتیب غلط نقل کی بلکہ دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی بے وزن کر دیا۔مزید یہ کہ تیسرے شعر کا پہلے مصرع میں 'بہ بے صبر' کی بجائے 'ز بے صبر' زیادہ بہتر ہے کیوں کہ 'بہ بے' مشاق شاعر نہیں لکھ سکتا۔

۱۰۔ دیکھیے: خم خانۂ جاوید از لالہ سری رام، دلّی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء، جلد سوم ص۱۱۳۔احسن مارہروی انشائے داغؔ میں لکھتے ہیں، ''مرزا اکثر علیل رہا کرتے تھے اسی سلسلے میں ان کے انتقال کی جھوٹی خبریں شائع ہو جاتی تھیں۔۱۸۹۵ء میں بھی ایسی ہی افواہ اڑا دی گئی اور وہ اخباروں میں شائع ہوگئی اور قطعات تاریخ بھی چھپنے لگے جس کی تردید خود مرزا صاحب نے اخباروں میں کی۔اور بعض شاگردوں کو بھی لکھا۔'' (انشائے داغؔ از داغؔ،

مرتبہ سیّد علی حسن مارہروی، دہلی: انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۱۹۴۱ء، ص۸۹)۔خود داغؔ نے مشرف یار خان شرفؔ کو ایک خط میں لکھا،’’برس دن تک ایسا بیمار رہا کہ خبر مرگ اخبار میں چھپی۔مرثیے، تاریخیں لوگوں نے کہیں، تم نے بات بھی نہ پوچھی۔‘‘(انشائے داغؔ، ص۸۹)

۱۱۔ بادشاہ نامہ، نواب صدر محل، کلکتہ: مطبع سلطانی، ۱۲۸۸ھ، ص۱۹۵۔۱۹۴

۱۲۔ تلامذۂ غالبؔ، مالک رام، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۸ء، ص۱۷۹۔۱۷۸

۱۳۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع نہیں بلکہ صرف ’’تفتہ تب وبا‘‘ ہے جس سے سالِ مطلوب ۸۸۵+۴۰۲+۹=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۱۴۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۶+۲۴۹+۱۰۴۱+۵۸۱+۵۹=۱۹۳۶ء مطلوبہ سال برآمد ہوتا ہے۔

۱۵۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع نہیں بلکہ صرف ’خنک شد تفتہ‘ ہے۔۶۷۰+۳۰۴+۸۸۵=۱۸۵۹، اعداد حاصل ہوتے ہیں جب کہ مطلوبہ اعداد ۱۸۷۹ء ہیں۔۲۰ عدد کی کمی غمگین کے دل ’گ‘ کے ۲۰ عدد کو حاصل جمع میں شامل کرنے سے مطلوبہ اعداد ۱۸۷۹ حاصل ہوتے ہیں۔

۱۶۔ مادۂ تاریخ آخری مصرع ہے۔جس کے آغاز میں نقطے لگے ہوئے ہیں اور نیچے یہ عبارت تحریر ہے۔’’ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔اودھ اخبار‘‘ باقی الفاظ سے ۲۰+۶+۱۴۱+۱۰۶۱=۱۲۲۸، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ایک لفظ کی کمی سے ۶۸ سال کا فرق پورا نہیں ہوتا۔ہوسکتا ہے یہاں نہ پڑھا جانے والا لفظ ’نو بود‘ ہو جو کاتب کی غلط فہمی کی وجہ سے اوپر کے مصرع میں شامل ہو گیا ہو کیوں کہ اس لفظ کے اعداد ۶۸ ہی بنتے ہیں۔مرزا قادر بخش نام صابر تخلص خلف مرزا مکرم بخت بہادر ابن مرزا خورد بہادر نبیرۂ مرزا معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ دہلیؔ۔۱۲۲۳ء میں قلعۂ معلیٰ شاہجہان آباد میں پیدا ہوئے۔ پہلے حافظ عبدالرحمٰن احسان سے مدتوں اصلاح لی۔ان کے انتقال کے بعد امام بخش صہبائی سے فیض پایا۔غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ سے ہم عصرانہ ربط تھا۔۱۸۵۷ء تک دہلی میں رہے اور آخر کار گھبرا کر بنارس کوچ کیا اور یہیں ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔’محمد قادر بخش‘ تاریخ وفات ہے جو ان کے شاگرد سیّد محمد سلطان عاقل نے کہی۔مولوی محمد ناصر الہام نے ’ملا ہے دلِ زار کو داغِ صابر‘ سے بھی تاریخ نکالی ہے۔اس مصرع میں ’داغِ صابر‘ مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۲۹۸، اعداد حاصل ہوتے ہیں اور اس میں دلِ زار کے ’ا‘ کا ایک عدد شامل کرنے سے مطلوبہ تاریخ ۱۲۹۹ھ حاصل ہوتی ہے۔۱۸۵۷ء کا کلام ضائع ہو گیا جو دیوان ’ریاض صابر‘ کے نام سے شائع ہوا وہ اس واقعے کے بعد کی کمائی ہے۔جسے ان کے شاگرد سید محمد عاقل نے حسب الحکم مرزا محمد قیصر بخت بہادر فروغ فرزند صابر کی خواہش پر ۱۳۰۵ھ میں ترتیب دیا۔اس کے علاوہ ایک تذکرہ گلستانِ سخن بھی مرتب کیا تھا جو ان کی زندگی میں ۱۲۷۱ھ میں مکمل ہوا اور اسی سال شائع ہوا۔(۱) مقدمہ گلستانِ سخن از خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، جون ۱۹۶۶ء، اوّل، ص ۳۸۔۱، (۲) ریاضِ صابر، مرزا قادر بخش صابر، حیدرآباد دکن: مطبع اخبار آصفی، ۱۳۰۵ھ، ص ۳۱۸)

۱۷۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۳۷+۹۳۶+۲۶۰+۶۳=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔عبداللہ خان ضیغم نے ان کے حالات تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔’’فروغؔ تخلص، مرزا قیصر بخت بہادر نام، شاہ زادگانِ دہلی سے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کا ان پر اثر نہ ہوا۔نواب گورنر جنرل اسی اعزاز سے ملاقات کرتے رہے۔یادگارِ ضیغم کی ترتیب کے وقت ڈپٹی انسپکٹر مدارس حمیر پور تھے۔فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ان کے اکثر شاگرد جون پور اور بنارس میں موجود تھے۔تلمذ والد سے رہا۔ترتیب تذکرہ کے وقت ان کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔مرزا کا عقد بنارس میں ہوا تھا۔۱۸۵۷ء کے بعد صابر بھی یہاں آ رہے تھے۔ریاضِ صابر کی اشاعت ۱۳۰۵ھ کے وقت تک حیات تھے کیوں کہ یہ دیوان انھی کی اجازت سے شائع ہوا تھا اور اس میں ان کے صابر کے دیوان کی اشاعت کے دو قطعات تاریخ بھی شامل ہیں۔نمونۂ کلام:

بڑھ گئی بعد مرے گرمیِ وحشت میری   مثل سیماب گزوں اڑتی ہے تربت میری
آپ کا عشق بھی کیا قفلِ زباں بندی ہے   نہیں کھلتی جو زباں بہر شکایت میری

(۱۔یادگارِ ضیغم، عبداللہ خان ضیغم، حیدرآباد دکن: مطبع گلزارِ دکن، ۱۳۰۲ھ، ص ۶۸۔۳۶۷، (۳۔ریاضِ صابر، ۱۵۔۳۱۱)

۱۸۔ مادۂ تاریخ ’جناب عالی تفتہ مرد‘ ہے جس سے ۵۶+۱۱۱+۸۸۵+۲۴۴=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۱۹۔ اس دائرے سے تاریخ حاصل کرنے کے لیے شاعر نے جو طریقۂ کار تحریر کیا ہے۔قارئین کی سہولت کے لیے اس کا اردو ترجمہ درج ہے،’’اس دائرے سے ہر خانہ کہ جس کو مبداء قرار دیں خواہ فرد (علاحدہ) خواہ زوج (اکٹھے) مطلوب سنہ کا استخراج (حصول) کریں۔استخراج کا طریقہ مستقبل کے حساب میں نہیں مثلاً جواد کو مبدا قرار دے کر اعداد حاصل کریں اور پھر مراد کو پہلا خانہ قرار دیا، خانے کے اعداد تیسرے، خواہ پانچویں خواہ ساتویں وغیرہ کو حاصل کریں، اعداد کے اسی طریقے سے ساتویں خانے تک شمار کریں۔۱۲۹۶ھ حاصل ہو جائے گا اور جناب زوج یہ ہے کہ مثلاً اس جگہ سے جواد کو مبداء قرار دیا، دوسرا عدد خانہ، خواہ چوتھے خواہ چھٹے وغیرہ کو حاصل (پکڑیں) کریں حتیٰ کہ ساتواں خانہ فراہم ہو جائے (ساتویں خانے تک پہنچ جائیں)، ۱۲۹۶ھ حاصل ہو جائے گا۔‘‘

۲۰۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۷+۲۴۵+۲۶۷+۵+۴۷۵+۶۵+۱۲+۶=۱۰۷۷، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔۲۱۹ کی کمی کس طرح پوری ہوتی ہے معلوم نہیں ہو سکا اور اگر ’آہ‘ کے ۱۶، اعداد کا تخرجہ بھی ہو تو مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ میں ۲۰۳ سال کی کمی ہو جاتی ہے۔مرزا ذاکر الدین بہادر گورگانی ذاکرؔ از اولاد، میرزا جوان بخت ولی عہد اوّل شاہ عالم ثانی چونکہ وہ خود بنارس جا رہے تھے اس لیے ان کی اولاد وہیں محلّہ شوالہ میں مقیم رہی۔شاگرد مرزا قادر بخش گورگانی دہلوی، دقت پسند طبیعت پائی تھی اور اکثر مضامین اس طرح باندھتے تھے کہ صفائی سے دور جا پڑتے تھے تاہم مشاق سخنور تھے۔۱۸۷۰ء تک زندہ سلامت موجود تھے اور سرکار سے اپنی خاندانی پینشن پاتے تھے۔نمونۂ کلام:

کوہکن کا سر سمجھ کر روئی وہ تقدیر پر   جب حباب آئے نظر شیریں کو جوئے شیر پر
اتنا لاغر ہوں کہ پھنس جاؤں میں اس میں مثلِ دام   لپٹے گر تارِ نگاہِ مور مجھ دل گیر پر

(خم خانۂ جاوید، جلد سوم، دلّی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء، ص ۲۲۸)

۲۱۔ مادۂ تاریخ 'فارسی داں شکرشکن' ہے۔جس سے ۳۵۱+۵۵+۵۲۰+۳۷۰=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔مرزا احسن بخت گورگانی احسنؔ،مرزا صابر کے شاگرد اور مقیم بنارس ہیں:

یہ ضعف وقتِ شہادت ہے جسم لاغر پر　　کہ خون چڑھ نہیں سکتا سرِ ستم گر پر
وہ سمجھا اپنی ہی تارِ نگاہ کا پر تو　　نظر پڑی جو کسی کی تمھارے لاغر پر

(خم خانۂ جاوید از لالہ سری رام،مرتبہ برج موہن دتاتریہ کیفی،جلد پنجم،م۔ن،۱۹۴۰ء،ص ۶۷۔۶۶)

۲۲۔ مادۂ تاریخ 'آواز یادگارِ غالب بود' ہے جس سے ۱۵+۲۳۶+۱۰۳۳+۱۲=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔شاعر نے 'آ' کا ایک عدد محسوب کیا ہے۔نادر شاہ خان رام پوری،شوخ اور شوخی دونوں تخلص کرتے تھے۔دلی میں پیدا ہوئے۔ والد محمد ضامن خان رام پور کے پٹھان تھے۔شروع میں سررشتہ دارِ بندوبست کی حیثیت سے ڈیرہ دون میں ملازم رہے تھے۔بعد کو وسطِ عمر میں طلبِ معاش کے لیے بنارس گئے اور وہاں کلکٹری کے دفتر میں پہلے نائب ناظر اور بعد کو پیش کار مقرر ہوگئے۔میرزا قادر بخش صابر ان دنوں بنارس میں مقیم تھے۔شوخیؔ ان سے مشورہ کرنے لگے۔اس کے بعد کلکتے چلے گئے اور وہاں تجارت کا سلسلہ شروع کیا۔مولانا ابوالکلام آزاد سے کلکتہ میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں وفات پائی۔ مالک رام نے لکھا ہے کہ شوخیؔ نے غالبؔ سے زیادہ استفادہ نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ دس پانچ غزلوں پر اصلاح لی ہوگی۔نمونۂ کلام:

بِنا کروں کوئی مے خانہ، جی میں ہے شوخیؔ　　کہ بعدِ مرگ زمانے میں یادگار رہے
حضرتِ شوخؔ ہوئے ہجر میں مرنے کے قریب　　نوجوانوں کو یہ آزار برا ہوتا ہے

(تلامذۂ غالب،ص۵۹۔۴۵۷)

۲۳۔ مادۂ تاریخ 'سوز دل تفتہ شد' ہے۔جس سے ۷۳+۳۴+۸۸۵+۳۰۴=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔۱۵؍شعبان ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۳مئی ۱۸۵۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تربیت پائی۔بچپن ہی سے شاعری کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔غالب کے انتقال کے وقت ان کی عمر پندرہ برس کے قریب تھی۔اس عمر میں غالب کو چند غزلیں ہی دکھا سکے ہوں گے۔عالم جوانی میں بنارس آگئے تھے۔یہیں میر وزیر علی کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہوا۔اسی زمانے میں مرزا قادر بخش صابرؔ گورگانی سے مشورہ کرنے لگے اور یہاں تک مشق بہم پہنچائی کہ استاد کو ان کی شاگردی پر ناز تھا۔ ۱۸۸۲۔۸۳ء میں دکن کی راہ لی۔وہاں ایک اخبار ہزار داستان نکالا پھر مطبع آصفی قائم کیا اور اخبار آصفی نکالنے لگے۔کچھ عرصہ نواب نظام یار جنگ بہادر خانِ خاناں کے معتمد بھی رہے۔دکن میں ہی ۳۹ سال کی عمر میں ۸؍محرم ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۴،اگست ۱۸۹۱ء کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوکر وفات پائی۔کاملؔ تخلص کرتے تھے۔ایک فرزند رشید سید فخر سلطان کو اپنی نشانی چھوڑ گئے۔ان کا دیوان ۱۳۱۹ھ میں بہرام الدولہ کی توجہ سے مطبع نورالاسلام سے شائع ہوا۔نمونۂ کلام:

یہاں ہے ضبط مانع، صبر واں قفلِ دہاں ہو گا　　ہمارا آپ کا انصاف، یاں ہوگا،نہ واں ہوگا
تم نہیں، غیر سہی،غیر نہیں،مرگ سہی　　مدعا یہ کہ کوئی جان کا خواہاں ہوتا

(۱)تلامذۂ غالبؔ،ص۵۸۵۔۵۸۳۔(۲)خم خانۂ جاوید،جلد پنجم،ص۵۵۷۔۵۵۶)

۲۴۔ مادۂ تاریخ 'دیدہ رنج عظیم' ہے جس سے ۲۳+۲۵۳+۱۰۲۰=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔

۲۵۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۸۸۵+۲۳+۱۰+۲۴۰+۴۰+۹۸=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔ذہن نشین رہے کہ شاعر نے گئے میں دوی شمار کرتے ہوئے ۴۰ عدد حاصل کیے ہیں۔

۲۶۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔جس سے ۲۷۱+۲۲۵+۴۰۰+۳۱۱+۸۹=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔لالہ سری رام نے ان کا نام میر گوہر علی خان گوہر تحریر کیا ہے اور انھیں احسان رام پوری کا شاگرد لکھا ہے۔انتخاب میں یہ شعر دیے ہیں:

پڑے آفت نہ الفت کی کسی دشمن سے دشمن پر　　جگہ عبرت کی ہے ہنسیے نہ میری آہ و شیون پر
ہوا مشہور تو معشوق میرے پیار کرنے سے　　رہے گا حشر تک احسان میرا تری گردن پر

(خم خانۂ جاوید،جلد ششم،لالہ سری رام،مرتبہ خورشید احمد خان یوسفی،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۰ء، ص۳۶۶۔۳۶۵)

۲۷۔ مادۂ تاریخ 'غم جاں کاہ معنوی' ہے جس سے ۱۰۴۰+۸۰+۱۷۶=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۲۸۔ مادۂ تاریخ 'غمِ محسن زماں' ہے جس سے ۱۰۴۰+۱۵۸+۹۸=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۲۹۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۵۹۲+۶+۵۸۲+۶+۱۱۶=۱۳۰۲،اعداد حاصل ہوتے ہیں۔جب کہ مطلوبہ اعداد ۱۲۹۶ ہیں۔۶ عدد کی زیادتی کس طرح کم ہوگی۔اس کا حل مادۂ تاریخ میں موجود ہے۔شاعر نے غالباً مادۂ تاریخ 'لاثانی و بے مثلِ صحیح' تحریر کیا ہوگا جو کاتب کی غلطی سے ایک واؤ کے اضافے سے غلط ہوگیا۔نظیر احمد خان بنارسی شاگرد صاحب عالم میرزا قادر بخش صابر دہلوی مرحوم۔نازک خیالی کے دل دادہ تھے۔نمونۂ کلام:

آئی شکستِ شیشہ کی اڑتی سی اک صدا　　دل آپ کی نظر سے کسی کا گرا نہ ہو
رہتا ہے مثلِ غنچہ کے بستہ دل ضمیر　　شاید ترا وہ عقدۂ بند قبا نہ ہو

(خم خانۂ جاوید،جلد پنجم،۳۷۸۔۳۷۷)

۳۰۔ مادۂ تاریخ مکمل مصرع ہے۔جس سے ۸۳+۱۰۱+۷۰۴+۴۰۶=۱۲۹۴،اعداد حاصل ہوتے ہیں۔۲ عدد کی کمی معلوم نہیں کیسے پوری ہوگی۔ہوسکتا ہے شاعر نے مادۂ تاریخ سے قبل مصرع 'لکھ دو واجد تم تاریخ' سے تعمیہ کیا ہو اور لکھ دو سے مراد ہوسکتا ہے کہ شاعر ۲ عدد کا تعمیہ کررہا ہو۔

۳۱۔ مادۂ تاریخ 'ذی شعورِ باادب' ہے۔جس سے ۷۱۰+۵۷۶+۳+۷=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۳۲۔ مادۂ تاریخ 'تھا شاعر حکمران' ہے جس سے ۴۰۶+۵۷۱+۳۱۹=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔شیخ محسن علی صاحب عرف کلن متخلص بہ جنون متوطن بنارسی، شاگرد مرزا صابر گورگانی۔ان کا صرف اس قدر حال معلوم ہوا ہے کہ ۱۸۷۴ء میں زندہ تھے۔فن شعر میں اپنے استاد کی روش کے پیرو تھے۔نمونۂ کلام

نزع کے دم ملک الموت سے جھگڑا ہو پڑا　　آپ آئیں جو مرے پاس قضا سے پہلے

پر لگیں پاؤں کے بدلے جو بلائے وہ یار　　اے جنوں اڑ کے ابھی جاؤں ہوا سے پہلے

(خم خانۂ جاوید، جلد دوم، لالہ سری رام، لاہور: رائے گلاب سنگھ پریس، ۱۹۱۱ء، ص ۲۷۵)

۳۳۔ مذکورہ قطعہ سے تاریخ حاصل کرنے کے لیے شاعر کے تخلص وحشی کے اعداد ۳۲۴ کو ۴ سے ضرب دینے سے جو اعداد حاصل ہوں گے وہ مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ ہوگا۔ لالہ سری رام نے ان کا نام قاضی محمد عبداللہ وحشی بنارسی تحریر کیا ہے اور مرزا قادر بخش صابر کا شاگرد لکھا ہے۔ نمونہ کلام میں تین غزلوں کے منتخب اشعار دیے ہیں۔ نمونہ کلام:

یوں کفن لپٹا ہے مجھ وحشی کے جسم زار میں　　سوزنِ عیسیٰ ہو جیسے زخم دامن دار میں
قید مدت کی لگا دو تم کہ آجائے یقیں　　عمر آخر ہو گئی اقرار ہی اقرا ر میں

۳۴۔ مادۂ تاریخ ’اُٹھ گئی آہ فارسی‘ ہے۔ مادۂ تاریخ کے زبر و بینات درج ذیل ہیں۔ الف۔ ٹا۔ ہا۔ ہا۔ گاف۔ یا۔ یا۔ الف۔ ہا۔ فا۔ الف۔ را۔ سین۔ یا۔ ان تمام اسما کے اول حرف زبر اور باقی حروف بینات ہیں۔ ان کے اعداد بالترتیب، ۱۱۱+۴۰۱+۶+۶+۱۰۱+۱۱+۱۱+۱۱۱+۶+۸۱+۱۱۱+۲۰۱+۱۲۰+۱۱= بنتے ہیں جن کا حاصل جمع ۱۲۸۸ بنتا ہے۔ جب کہ مطلوب ۱۲۹۶، اعداد ہیں۔ میرے خیال میں شاعر نے مادۂ تاریخ ’’اوٹھ گئی آہ فارسی‘ تحریر کیا ہوگا جسے کاتب نے اخبار میں درج کرتے ہوئے لفظ ’اوٹھ‘ کو جدید املا میں لکھتے ہوئے ’اُٹھ‘ بنا دیا اس قیاس کی تصدیق الف کے اوپر پیش سے بھی ہوتی ہے۔ کاتب نے واؤ کی کمی کو پیش سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید غلطی یہ کہ ’اٹھ‘ میں ایک ’ہ‘ کی بجائے دو ’ہ‘ لکھ دیے۔ مذکورہ بالا مادۂ تاریخ کے زبر و بینات سے مطلوبہ اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ الف۔ واؤ۔ ٹا۔ ہا۔ گاف۔ یا۔ یا۔ الف۔ ہا۔ فا۔ الف۔ را۔ سین۔ یا۔ ان حروف سے بالترتیب ۱۱۱+۱۳+۴۰۱+۶+۱۰۱+۱۱+۱۱+۱۱۱+۶+۸۱+۱۱۱+۲۰۱+۱۲۰+۱۱= اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا مجموعہ ۱۲۹۵ بنتا ہے۔ اس میں شاعر کے بقول ایک عدد کا تعمیہ کرنے سے مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ حاصل ہوتا ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن خان سحر، ساکن بنارس، شاگرد میرزا قادر بخش گورگانی۔ آپ کے کلام میں اعلیٰ مضامین پائے جاتے ہیں مگر لطفِ زبان و روزمرہ فصحا پر کماحقہ قدرت نہیں۔ بندش چست اور الفاظ کی نشست درست ہوئی ہے۔ آپ نے میرزا صابر کی وفات کے بعد میرزا قیصر بخت فروغ کی ہمراہی میں سالہا سال گزارے۔ راجہ ڈمراؤں کی کچھ جائداد بھی آپ کے چارج میں رہی تھی۔ نمونۂ کلام:

سبزۂ جوہر نہ اس کو جانیو سفاک تو　　یہ مرا عکس لباسِ روح ہے شمشیر پر
زاریِ مظلوم ظالم پر اثر کرتی نہیں　　شمع کا گریہ موثر کب ہوا گل گیر پر

(خم خانۂ جاوید، جلد چہارم، لالہ سری رام، م۔ن، ۱۹۲۶ء، ص ۱۱۸۔۱۱۷)

۳۵۔ مادۂ تاریخ ’سخنش سحر ادا بود‘ ہے جس سے ۱۰۱۰+۲۶۸+۶+۱۲=۱۲۹۶ھ مطلوبہ سال برآمد ہوتا ہے۔

۳۶۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۳۷+۸۱+۴۴۶+۲۱+۱۱+۲۰۲+۱۱+۴۸۶=۱۲۹۵، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک عدد کی کمی کس طرح پوری ہوگی یہ نہیں معلوم ہو سکا۔

۳۷۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۱۶+۸۸۵+۳۰۶+۸+۶۵+۱۶=۱۲۹۶، اعداد حاصل ہوتے ہیں جو

مطلوبہ سال ہے۔

۳۸۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۱۶+۸۸۵+۳۰۶+۸+۶۵+۱۶=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ لالہ سری رام نے ان کا نام مرزا محمد حسن بنارسی اور شاگرد الطاف حسین رابط تحریر کیا ہے۔ (خم خانۂ جاوید، جلد ششم، ص ۱۱)

۳۹۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۴۵+۶۰+۱۰۳۳+۱۲۰+۶۳=۱۳۲۱، اعداد حاصل ہوتے ہیں جب کہ مطلوب ۱۲۹۶ ہیں۔ ۲۵، اعداد کی کمی کس طرح کی جا سکتی ہے اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاعر نے اس میں تخرجہ کیا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ پہلا مصرع یہ ہوگا ’سالِ رحلت کے لیے نکلا کہ‘ اور ’کہ‘ کے ۲۵، اعداد حاصل جمع سے خارج کرنے سے مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ حاصل ہوتا ہے۔

۴۰۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۳۴+۵۴۸+۴۱۳+۲۰۵+۱۰۰=۱۳۰۰، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ جب کہ مطلوب ۱۲۹۶ ہیں۔ غالباً یہاں بھی کاتب کی غلطی کام کر گئی۔ شاعر نے مادۂ تاریخ میں لفظ ’تازہ‘ کو ’تازا‘ تحریر کیا ہو گا کیوں کہ تازہ کو تازا لکھنے اور اس کے اعداد شمار کرنے سے ۴ کا فرق پڑتا ہے اور یہی ہوا ہوگا۔

۴۱۔ مادۂ تاریخ ’دلا بے مثل شاعر ہو گیا بے جاں‘ ہے جس سے ۳۵+۵۸۲+۵۷۱+۱۱+۳۱+۶۶=۱۲۹۶، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔

۴۲۔ مذکورہ تاریخ سے سالِ وفات حاصل کرنے کے لیے پہلے چار مصرعوں کے اولین حروف کے اعداد کو جمع کیا جائے گا تب مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ حاصل ہوتا ہے۔ آخری مصرع بھی مادۂ تاریخ ہو سکتا ہے لیکن مطلوبہ سال حاصل ہونے میں ۲۰ عدد کی کمی رہ جاتی ہے۔ آخری مصرع سے بالترتیب ۳۴+۶۰+۵۰+۱۰۱۲+۷۰+۱۵+۳۵=۱۲۷۶، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ منشی دیبی پرشاد بشاش نے تذکرہ شعراے ہنود میں غنا کا یہ ترجمہ تحریر کیا ہے: غنا تخلص، کنور ارے پیارے لال خلف راجہ بہادر سنگھ ابن راجہ صاحب رام ابن راجہ پورن چند دہلوی کا۔ تھ سکسینہ برادر عم زاد وھم خاندان وہم عمر حضرت جوہر لکھنوی کے ہیں اور شعر گوئی کا سلیقہ خوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مطلع ان کا ہے:

لکھا جو حال گریۂ چشمِ پُر آب کا
کاغذ بنا ہے کاغذِ ابرِ سحاب کا

(تذکرہ شعراے ہنود، حصہ دوم، منشی دیبی پرشاد بشاش، دہلی: مطبع رضوی، ۱۸۸۵ء، ص ۱۰۷)

۴۳۔ ’خدا پرست‘ مادۂ تاریخ ہے جس سے ۶۰۵+۶۶۲=۱۲۶۷، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ جب کہ مطلوب ۱۲۸۷ ہیں۔ ۲۰ سال کی کمی کار کے سر یعنی ’ک‘ کے ۲۰ عدد حاصل اعداد میں شامل کرنے سے مطلوبہ سال برآمد ہوتا ہے۔

۴۴۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۱۹۶+۵۷۰+۲۱+۱۷+۴۷۰+۱۲=۱۲۸۶ بنگلہ مطلوبہ سال حاصل ہوتا ہے۔

۴۵۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے۔ جس سے ۱۷+۹۴+۹۸+۵۴+۱۰۳۳=۱۲۹۶ھ حاصل ہوتے ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ شاعر نے نائب کے ہمزہ کو الف شمار کرتے ہوئے ایک عدد لیا ہے جب کہ تاریخ گو شعرا بالعموم ہمزہ کو ی کا قائم مقام سمجھتے ہوئے دس عدد شمار کرتے ہیں۔ انجم کا نام محمد علی خان اور تخلص انجم تھا۔ ضلع مونگیر شیخ پورہ کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے مالک رام کے حوالے سے قصبے کا نام شیخ پور لکھا ہے جو کتابت کی غلطی لگتی ہے۔ انجم کے

والد کا نام مصحب حسین خان تھا۔ وہ شاعر بھی تھے اور عدلؔ تخلص کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد رضوان احمد خان نے ان کے دو منظوم رسالوں کا تعارف بھی لکھ دیا ہے۔ یہ وہ رسائل ہیں جن کا ذکر تلامذۂ غالب میں ہے نہ تلامذۂ غالب پر لکھے گئے مضامین میں۔ ان میں سے ایک کا نام مطلع الشّمس ہے جو ۱۲۸۱ھ میں لکھنؤ شائع ہوا۔ دوسرا رسالہ گوہرِ منظوم ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۶۶ھ میں مکمل ہوا اور ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوا۔ مذکورہ رسالوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ۱۲۸۱ھ میں انجمؔ شیخ پورہ میں نہیں بلکہ شیخ پورہ سے ایک میل کے فاصلے پر حسین آباد میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر رضوان احمد نے ڈاکٹر حنیف نقوی صاحب کے اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ محمد علی خان انجم اور محمد علی خان نامی مونگیری شخص واحد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں شخص واحد نہیں کیوں کہ انجمؔ نے کہیں بھی نامیؔ تخلص استعمال نہیں کیا البتہ انجمؔ روٴسا میں سے ضرور تھے۔ ڈاکٹر رضوان احمد نے نقوی صاحب کے اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ انجمؔ کے شاگرد غالب ہونے کی شہادت موجود نہیں۔ ڈاکٹر رضوان احمد نے انجمؔ کے رسالے مطلع الشّمس سے غالبؔ کا ایک قطعہ اور غالباً انجمؔ کی لکھی ہوئی ایک عبارت پیش کی ہے جس سے انجمؔ کا شاگردِ غالب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ عبارت اور قطعہ درج ذیل ہے:

”چکیدۂ قلم فیض رقم وزدۂ خامۂ مریم شیم جناب معلّٰی القاب الاجل الانجل والافضل والاکمل سلطان الشعراء ملک البلغا قبلہ وکعبہ استاذی نواب مستطاب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں بہادر غالبؔ جنگ مدظلۂ العالی کہ از دست مبارک خود زیب ایں اوراق فرمودند“ قطعہ یہ ہے:

زہے فرخ و دلکشا ہفت بند	کہ بگذشت از ہفت چرخِ بلند
بنائے کہ عرش است ایوان او	بنائے کہ خلد است میدان او
فرازندۂ ایں بنائے عجب	محمد علی خان انجمؔ لقب
بہ مدحِ علی کاں بود دین من	بود ہمزبان و ہم آئین من
رک کلک او باد سیارہ بار	ہم از غالبش آفریں بار بار

انجمؔ کا انتقال ۲۵ شوال ۱۳۰۸ھ بروز بدھ بمطابق ۳ جون ۱۸۹۱ء کو ہوا۔ ان کے انتقال کی تاریخ ’آہ غروب انجم‘ سے نکلتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

(۱) تلامذۂ غالبؔ ص۷۸ (۲) غالبؔ: احوال و آثار ص۲۰۶، (۳) انجمؔ شیخ پوروی: شاگردِ غالبؔ از ڈاکٹر محمد رضوان احمد خان، خدابخش جرنل شمارہ۱۰۶، ۱۹۹۶ء ص۹۲۔۸۰

۴۶۔ مادۂ تاریخ پورا مصرع ہے جس سے ۲۱۱+۹۱+۹۲۶+۸+۵۹=۱۲۹۵، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ مادۂ تاریخ میں تعمیہ ہے۔ انجم کے لب الف کے ایک عدد کا تعمیہ کرنے سے مطلوبہ سال ۱۲۹۶ھ حاصل ہوتا ہے۔

۴۷۔ مادۂ تاریخ ’بلیغ مرد‘ ہے۔ جس سے ۱۰۴۲+۲۴۴=۱۲۸۶ بنگلہ مطلوبہ سال برآمد ہوتا ہے۔

۴۸۔ مادۂ تاریخ ’ہائے غم روح کاہ‘ ہے جس سے ۱۶+۱۰۴۰+۲۱۴+۲۶=۱۲۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔

۴۹۔ مادۂ تاریخ ’بے سروپا شد سخن‘ ہے جس سے ۱۲+۲۶۰+۶+۳+۳۰۴+۱۰+۷=۱۲۹۵۔ اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک کی کمی زار کے دل یعنی الف کے ایک عدد حاصل اعداد میں شامل کرنے سے پوری ہوتی ہے۔

مآخِذ

۱۔ احسن مارہروی، انشاے داغ (مرتبہ سیّد علی حسن مارہروی)، دہلی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۴۱ء۔

۲۔ اکبری، امرناتھ، دیوانِ اکبری، لاہور: مطبعِ کوہِ نور، سن ندارد۔

۳۔ انصاری، ضیاءالدین، تفتہ اور غالب، دہلی: غالب اکیڈمی، ۱۹۸۴ء۔

۴۔ بےصبر، منشی بالمکند، کلیاتِ بے صبر (قلمی)۔

۵۔ خان، رضوان احمد، انجم شیخ پوروی: شاگردِ غالب، مشمولہ خدا بخش جرنل، پٹنہ، شمارہ۱۰۶، ۱۹۹۶ء، ص۹۲۔۸۰

۶۔ داؤدی، خلیل الرحمٰن (مقدمہ)، گلستانِ سخن، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۶ء۔

۷۔ سری رام، لالہ، خم خانۂ جاوید، ج۲، لاہور: راے گلاب سنگھ پریس، ۱۹۱۱ء۔

۸۔ ________، خم خانۂ جاوید، ج۳، دلی: دلّی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء۔

۹۔ ________، خم خانۂ جاوید، ج۴، مقام ندارد، ۱۹۲۶ء۔

۱۰۔ ________، خم خانۂ جاوید (مرتبہ برج موہن دتاتریہ کیفی) ج۵، مقام ندارد، ۱۹۴۰ء۔

۱۱۔ ________، خم خانۂ جاوید (مرتبہ خورشید احمد خان یوسفی)، ج۶، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء۔

۱۲۔ صابر، مرزا قادر بخش، ریاضِ صابر، حیدرآباد دکن: مطبع اخبارِ آصفی، ۱۳۰۵ھ۔

۱۳۔ صابری، امداد، اردو کے اخبار نویس، دہلی: صابر اکیڈمی، ۱۹۷۳ء۔

۱۴۔ صدر محل، نواب، بادشاہ نامہ، کلکتہ: مطبع سلطانی، ۱۲۸۸ھ۔

۱۵۔ ضیغم، عبداللہ خان، یادگارِ ضیغم، حیدرآباد دکن: مطبع گلزارِ دکن، ۱۳۰۳ھ۔

۱۶۔ کاشمیری، اکبر حیدری، تحقیقی نوادر، لکھنؤ: اردو پبلشرز، ۱۹۷۴ء۔

۱۷۔ مالک رام، تلامذۂ غالب، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۸ء [تیسرا اضافہ شدہ ایڈیشن]۔

۱۸۔ نقوی، حنیف، غالب: احوال و آثار، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۰ء۔

۱۹۔ نورانی، سیّد امیر حسن، سوانح منشی نول کشور، پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء۔